*Epistemology: Vol.7, Issue 8 June 2020*

**OPEN ACCESS: "*EPISTEMOLOGY*"**
eISSN: 2663-5828;pISSN: 2519-6480
www.epistemology.pk

# علم الاعتبار-تعارفی جائزہ

# ILM AL 'ITIBAR - INTRODUCTIORY REVIEW

**Ramla Khan**
*Ph.D Scholar, Sheikh Zayed Islamic Center, University of the Punjab, Lahore.*

**Dr. Hafiz Abdul Basit Khan**
*Assistant Professor, Sheikh Zayed Islamic Center, University of the Punjab, Lahore.*

**Abstract:** Tafsīr or interpretation of the Holy Qur'ān has always been a central task for Muslim exegetes. Muslim scholars of the Qur'ānic sciences interpret the verses of the Holy Qur'ān through valuable sciences. There are two basic ways of Qur'ānic interpretation; some scholars have explained the Holy Qur'ān through the sayings of the Holy Prophet (PBUH) and the narration of His companions along with the interpretation of Mufassirīn from the era of Tābi'īn and Tab'i Tābi'īn. On the other hand some scholars have explained the Holy Qur'ān with the help of 'ILM AL 'ITIBĀR on the basis on Indication. Although, the examples of such indications can be found also in the era of the Companions of the Holy Prophet (PBUH). The point of view of Muslim scholars regarding this type of Tafsir is different; some allow it and some other does not. The canvas of 'ILM AL 'ITIBĀR is bigger than Tafsīr Al Ishārī. in this article the meaning, nature and different aspects of 'ILM AL 'ITIBĀR is discussed in detail.

**Key words:**Interpretation of Quran by indication, 'ILM AL 'ITIBĀR, Ashraf Alī Thanawī, Interpretation of Quran with exemplification..

قرآن حکیم میں اللہ رب العزت نے محدود الفاظ میں لا محدود معانی اور مطالب بیان فرمائے ہیں۔ان معنی و مطالب کی معرفت حاصل کرنے کے لئے اہل علم حضرات نے بیش قیمت علوم کے ذریعے کلام اللہ کی توضیح و تشریح کی خدمت سرانجام دی ہے۔ان علوم میں سے ایک منفرد علم "علم الاعتبار" ہے۔اس علم کے ذریعے اصحاب تزکیہ واحسان



CC BY

جنہیں صوفیا کہتے ہیں، انہوں نے تصوف کے بنیادی اصول منکشف کیے ہیں۔ اصحاب تزکیہ واحسان پوشیدہ اشارات کی مدد سے ایسی تفسیر بیان کرتے ہیں جو آیت کے ظاہری مفہوم کے علاوہ ہے مگر اس کے ظاہری اور باطنی معنی میں تطبیق کرنا ممکن ہوتا ہے۔ اس تفسیر کو تفسیر اشاری، تفسیر فیضی یا تفسیر رمزی کہتے ہیں۔ تفسیر اشاری میں علم الاعتبار کے ذریعہ لطائف و نکات کو بیان کیا جاتا ہے۔ در حقیقت تفسیر اشاری علم اعتبار کا حصہ ہے فرق یہ ہے کہ تفسیر اشاری خاص ہوتی ہے کیونکہ یہ صرف تفسیر کے ساتھ مخصوص ہے جبکہ علم اعتبار خاص نہیں ہے اس کا دائرہ وسیع ہے۔

## اعتبار کے لغوی معنی

اعتبار عبر سے ماخوذ ہے اس کے حروف اصلی ع، ب، ر ہیں۔ اگر اس کے لغوی معانی میں غور کیا جائے تو یہ ایک کثیر المعنی لفظ ہے، جس پر حرکات مختلف ہونے سے اس کے معنی میں وسعت آجاتی ہے۔ چنانچہ عر، عبر، عبر، عبرۃ، اعتبار اور تعبیر یہ تمام الفاظ اپنے اصل معنی کے اعتبار سے ایک جیسے ہیں لیکن مصداق کے لحاظ سے متفرق ہو جاتے ہیں۔ لہذا اس کے معنی میں تجاوز کرنا، تعبیر بیان کرنا، کلام کی تفسیر کرنا، گزرنا، وادی کا کنارہ نصیحت، عبرت حاصل کرنا، غور کرنا، کسی چیز پر تعجب کرنا شامل ہیں۔

ان معانی کا جائزہ لینے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اعتبار کی حقیقت بیان ہے، اور اسی سے عبرت کا لفظ بھی نکلا ہے، لہذا کوئی عبارت بیان کے بغیر نہیں اور کوئی بیان ایسا نہیں جس میں عبرت نہ ہو۔ جو اس عبرت کی وضاحت کرے اسے عابر کہا جاتا ہے۔ اسی لیے کلام کو بیان کہتے ہیں، کیونکہ یہ معنی اور مقصود کو کھول دیتا ہے۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

هَذَا بَيَانٌ لِلنَّاسِ[1]

یہ قرآن کریم بیان ہے لوگوں کے لئے

پھر مجمل اور مبہم کی جس چیز سے تشریح کی جائے اسے بھی بیان کہتے ہیں. ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ[2]

پھر اس کے مطالب کو واضح کر دینا بھی ہمارے ذمے ہے.

لہذا بیان اسے کہتے ہیں جس سے کسی بھی شے کی وضاحت ہو، جبکہ زبان اور تحریر اس کا آلہ ہے۔ جب کہ عبارت تعبیر کرنے والے کا کلام ہے جو متکلم کی زبان سے سامع کے سننے تک ہوتا ہے۔

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

**والعبارة فيه مختص بالكلام، العابر الهواء من لسان المتكلم الى سمع السامع**[٣]

عبارۃ خاص اس کلام کو کہتے ہیں جو متکلم کی زبان سے نکل کر فاصلہ عبور کر کے سامع کی سماعت تک پہنچ جائے۔

ابن منظور لکھتے ہیں:

**العبر جمع عبرة، وهي كالموعظة مما يتعظ به الانسان، ويعمل به، ويعتبر ليستدل به على غيره**[٤]

اس سے معلوم ہوا کہ مقصود کو سمجھانا، اسے قبول کرنا اور اس مقصود پر عمل کرنا یہ معتبر ہے۔ جبکہ عابر وہ ہے جو کسی چیز پر غور کرے، اور معتبر ایک چیز کو دوسری چیز سے ثابت کرتا ہے غور و فکر کا محتاج ہے اور صحیح غور و فکر کرنے کی قابلیت کا حامل وہی شخص ہوتا ہے جو فہم سلیم، علمی وسعت کے ساتھ ساتھ پاکیزہ صفات سے آراستہ ہو۔

گویا کسی چیز کو جاننے کے لیے اس کے حکم کو ثابت کرنے والی علت میں غور رو فکر کا نام اعتبار ہے۔ اس کی اصل یہ ہے کہ ایک حال سے دوسرے حال کی طرف عبور اور تجاوز کرنا۔

غور و فکر کرنے والا حکم کا ثبوت دلیل کے ساتھ پیش کرتا ہے اور جس علت کے ساتھ دلیل لی گئی ہے اس کو ساتھ ملا لیتا ہے۔ اور جو غور و فکر کرتا اور تعبیر بیان کرتا ہے اس کو عابر کہتے ہیں۔ مقولہ ہے۔ ''عبر الرؤیا'' اس نے خواب کی تعبیر بیان کی۔

اور بعض لوگوں نے یہ بھی کہا کہ اعتبار ''عبر'' سے لیا گیا ہے اور اس کا معنی نہر کا کنارہ ہے۔ اور خواب کی تعبیر بیان کرنے والا عابر کہلاتا ہے کیوں کہ وہ خواب کے دونوں کناروں میں غور و فکر کرتا ہے۔ یعنی خواب کی ابتداء اور انتہا میں جو دیکھا گیا ہے اس میں غور و فکر کرتا ہے۔[5]

## اعتبار کی اصطلاحی تعریف

علماء کرام کے یہاں اعتبار کی مختلف تعریفات ملتی ہیں:

۱۔ علامہ بزدوی نے ''اصول بزدوی'' میں اعتبار کی تعریف بیان کی ہے۔

**الاعتبار هو رد الشیء الی نظیره**[۶]

۲۔ بعض علماء نے اس تعریف میں اضافہ کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

**رد الشیء الی نظیره بان یحکم علیه بحکمه**[۷]

کسی چیز کو اس کی نظیر کی طرف اس طرح لوٹانا کہ جو حکم پہلی پر ہے وہی حکم اس کی نظیر پر بھی لگ جائے

لیکن اس تعریف سے اعتبار کی حد قائم ہو جاتی ہے گویا یہاں اعتبار کو عین قیاس قرار دیا گیا ہے۔ جبکہ اعتبار عین قیاس نہیں ہے بلکہ یہ مطلق طور پر کسی چیز کو اس کی نظیر کی جانب لوٹانا ہے۔ یہ اعتبار کبھی تو قرآن کی آیات میں ہوتا ہے اور کبھی حدیث کے جمع کرنے میں متابعات اور شواہد کے ذیل میں اعتبار کا استعمال کیا جاتا ہے۔ نیز مختلف علوم میں جہاں بھی کسی چیز کو اس کی نظیر کی طرف لوٹایا جائے تو یہ اعتبار میں شامل ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اعتبار قیاس کی نسبت عام بھی ہے اور زیادہ وسعت بھی رکھتا ہے،

3۔ علامہ بیضاوی لکھتے ہیں:

فالمعنی رد الشیء الی نظریة فی من اطه فی المثلات وغیرها ولفظ الاعتبار موضوع لهذا المعنی[۸]

کسی چیز کی علت میں غور و فکر کرتے ہوئے اسی کی مثل دوسری چیز کی طرف لوٹانا۔ اس معنی کے لیے جو لفظ وضع ہوا ہے وہ اعتبار ہے۔

۴۔ امام غزالی نے اعتبار کی تعریف کچھ یوں بیان کی ہے

"اعتبار سے مراد کسی چیز سے اس کی نظیر کی طرف اس طرح التفات کرنا ہے کہ وہ دونوں معنی میں شریک ہوں، جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: انگلیوں پر قیاس کیوں نہیں کرتے؟"[9]

یہاں پر امام غزالی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنھما کے جس قول کو ذکر کیا ہے وہ مکمل روایت موطا امام مالک میں مذکور ہے، کہ ابی غطفان بن طریف روایت کرتے ہیں کہ مروان بن حکم نے ان کو عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنھما کے پاس بھیجا تاکہ ان سے پوچھیں کہ ڈاڑھ کی کیا دیت ہے؟ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنھما نے فرمایا کہ اس میں پانچ اونٹ ہیں مروان نے ان کو دوبارہ بھیجا اور پوچھا کہ کیا آپ سامنے کے دانت اور ڈاڑھوں کو برابر رکھتے ہیں؟ ابن عباس رضی

اللہ عنہما نے کہا کہ اگر تو دانتوں کو انگلیوں پر قیاس کر لیتا تو کافی تھا۔ ہر ایک انگلی کی دیت ایک ہی ہے۔ اگر منفعت کسی سے کم ہے کسی سے زیادہ ایسا ہی دانت اور ڈاڑھ بھی سب یکساں ہیں [10]

۵۔ابن عاشور اعتبار کی تعریف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

الاعتبار: النظر في دلالة الاشياء على لوازمها وعواقبها واسبابها [۱۱]

اشیاء کے لوازم، عواقب اور اسباب پر دلالت کرنے میں غور و فکر کرنا اعتبار کہلاتا ہے۔

۶۔علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

الاعتبار والعبرة بالحالة التي يتوصل بها من معرفة المشاهد الى ما ليس بمشاهد [۱۲]

اعتبار کسی دیکھی ہوئی چیز کے ذریعے ان دیکھی چیز کو حاصل کرنا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ کسی چیز کو جاننے کے لیے اس میں نظر و فکر کرنا اعتبار ہے اور جو کسی چیز میں غور کرے وہ عابر کہلاتا ہے اور ہر شخص اس غور و فکر کی استطاعت نہیں رکھتا۔ کیونکہ غور و فکر کے ذریعے نصیحت حاصل کرنے کے لیے فہم سلیم، تدبر، تبحر اور تعمق کی ضرورت ہوتی ہے۔ جو اللہ تعالیٰ منتخب بندوں کو عطا فرماتے ہیں۔ چنانچہ عابر کسی چیز میں غور و فکر کرتا ہے اور کسی مشبہ کو دوسرے مشبہ سے واضح کرتا ہے اور ایک چیز کو دوسری پر قیاس کرتا ہے یہاں تک کہ وہ بات جو پوشیدہ ہے وہ نتیجہ خیزی میں ڈھل جاتی ہے۔ اسی لیے خواب کی تعبیر بیان کرنے والے کو عابر کہتے ہیں۔ کیونکہ وہ خواب میں پوشیدہ بات کو واضح کرتا ہے۔

## علم اعتبار اور قرآن

علامہ زرکشی "البرہان" میں ذکر کرتے ہیں کہ علوم القرآن میں قرآنی الفاظ سے متعلق چار علوم ہیں۔ اعراب، نظم، تصریف اور اعتبار۔ اعتبار کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اعتبار بقیہ تین علوم کے لئے بمنزلہ معیار کے ہے اور استنباط اور استدلال کا دار و مدار اسی پر ہے۔ پھر اعتبار کے معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں

ومعنى اعتبرت الشيء طلبت بيانه [۱۳]

اعتبار کا معنی ہے وضاحت طلب کرنا، بیان کرنا۔

علامہ زرکشی نے یہاں اعتبار کی مزید وضاحت کی ہے کہ اعتبار کئی طرح کا ہو سکتا ہے، جیسے کوئی کہے أتاني غير زيداس کا ایک مطلب یہ ہوا کہ زید بھی آیا اور اس کے علاوہ بھی کوئی آیا اور اس کا ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے، کہ زید کے علاوہ کوئی آیا، زید نہیں آیا۔ اسی طرح قرآن میں ہے وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا (سورۃ المائدہ:2) یہاں پر اصْطَادُوْا امر کا صیغہ ہے اور امر کے بارے میں یہ بات معلوم ہے کہ امر وجوب پر دلالت کرتا ہے لیکن یہاں اباحت مراد ہے۔ اور کبھی اعتبار کسی دوسری آیت سے ہوتا ہے جیسے ارشاد باری تعالی ہے فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِعِبَادِهٖ بَصِيْرًا (فاطر:45) اس کا اعتبار سورۃ واقعہ کی آخری آیات سے سمجھا جا سکتا ہے کہ لوگوں کے تین درجات ہوں گے اور اللہ تعالی ہر ایک گروہ کو اس کے مرتبہ رکھے گا گویا کہ اللہ تعالی ان کے درجات کو خوب دیکھ رہا ہے۔ اور کبھی اعتبار اس طرح بھی ہوتا ہے جیسے سورۃ البقرۃ میں ارشاد ہوتا ہے قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ (البقرۃ:97) اس کا پس منظر اس حدیث سے سمجھا جا سکتا ہے ہے کہ وہ کہتے تھے اگر میکائیل وحی لاتے تو ہم آپ کی اتباع کر لیتے کیونکہ وہ خیر لاتے ہیں اور جبرائیل کبھی بھی خیر نہیں لائے۔ حالانکہ قرآن سے بڑھ کر کون سی چیز خیر ہو سکتی ہے۔ [۱۴]

یہاں امام زرکشیؒ نے قرآن میں اعتبار کو ایک وسیع مفہوم کے تحت بیان کیا ہے۔ جبکہ قرآن سے علم اعتبار کے ذریعہ جو نکات و لطائف بیان کیے جاتے ہیں ان کی تفصیل ہمیں مولانا اشرف علی تھانوی کی بیان کردہ وضاحت میں ملتی ہے۔ انہوں نے نصوص قرآنی کی طرف منسوب ہونے والے احکام کی دو اقسام میں تقسیم کیا ہے۔ پہلی قسم میں وہ احکام ہیں جن پر نصوص قرآنی معتبر وجوہ دلالات کے ذریعے دلالت کرتے ہیں پھر آگے ان کی دو قسمیں بیان کی ہیں کہ اگر یہ دلالت واضح ہو تو اسے تفسیر کہتے ہیں اور اگر یہ دلالت استنباطا یعنی اجتہاد اور غور کے ذریعے ہو تو اسے فقہ اور اجتہاد کہتے ہیں۔ دوسری قسم میں وہ احکام شامل ہیں جن کو ان نصوص سے کسی طرح کی مناسبت یا مشابہت ہوتی ہے۔ حضرت تھانوی نے اس کی تفصیل کچھ یوں بیان کی ہے:

> ''احکام کی دوسری قسم یہ ہے کہ نصوص دلالت کے وجوہ معتبرہ مذکورہ کے اعتبار سے ان احکام پر دلالت نہیں کرتے۔ لیکن جن احکام کو نصوص کی طرف مستند کیا ہے، ان احکام کو ان نصوص کے مدلولات سے گونہ مناسبت و مشابہت ہے اس مناسبت کے سبب ان احکام مدلولہ سے ان احکام مستندہ کی

طرف ذہن منتقل ہو جاتا ہے، اور اس تعلق کے سبب بناء پر قاعدہ الشیء بالشیء یذکر (یعنی ایک چیز دوسری چیز کے ساتھ ذکر کر دی جاتی ہے) اس حکم کو اس نص کے ذیل میں بطور تشبیہ کے ذکر کر دیا جاتا ہے اور اس قسم کے احکام کو مدلول نص اور ثابت بالنص کہنا یقیناً تفسیر بالرائے اور تحریف نصوص اور سخت معصیت ہے جس پر وعید شدید وارد ہے جن میں سے بعض تمہید میں مذکور ہو چکی ہے، لیکن اگر مدلول نص نہ کہا جائے تو تحریف و تفسیر بالرائے کی حد سے تو نکل گیا، باقی رہا جواز و عدم جواز اس میں تفصیل یہ ہے کہ وہ حکم اگر دین میں مطلوب ہو جس کی علامت یہ ہے کہ وہ دوسری نصوص سے بوجوہِ دلالت معتبرہ قسم اول مقصود اثابت ہو تب تو جائز ہے اور ہمیشہ امت میں معمول بہ رہا ہے، خصوصاً صوفیہ میں اور اس کا نام علم اعتبار ہے اور وہ حکم دین میں مطلوب نہ ہو خواہ فی نفسہ صحیح ہی ہو جس کی علامت ابھی مذکور ہوئی تو وہ ناجائز اور داخل غلو و تکلف منی عنہ ہے۔"[15]

ایک اور مقام پر حضرت تھانویؒ علم اعتبار کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"قرآن مجید کی تفسیر وہی ہے جو علمائے مفسرین نے لکھی ہے لیکن کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جو مضمون مدلول و مقصود بالقرآن ہے اس کے مشابہ کوئی دوسرا مضمون ہوتا ہے تو مدلول قرآنی سے ذہن مشابہ کی طرف منتقل ہو جاتا ہے جیسے زید اور عمرو میں مناسبت ہو اور زید کا حال بیان کرتے ہوں اور عمرو یاد آ جائے اور اس انتقال ذہنی کی وجہ سے اس مدلول قرآنی پر اس مضمون مشابہ کو قیاس کر کے اس کے لیے بھی وہی حکم جو مدلول قرآنی کے متعلق ہے ثابت کرنے لگتے ہیں تو مقصود اس کا اس نص میں مضمون کا داخل کرنا نہیں بلکہ محض قیاس و تمثیل کا قصد ہوتا ہے مثلاً آیت "طهر بيتي" (کعبہ کی تطہیر) کی تفسیر سے ذہن منتقل ہوا کہ انسان میں بھی ایک چیز کعبہ کے مشابہ ہے اور وہ قلب ہے کیونکہ جس طرح تطہیر کعبہ ضروری ہے کیونکہ وہ مورد تجلیات ہے اسی طرح چونکہ قلب بھی مورد تجلیات ہے اس کی تطہیر ضروری ہے اور مورد تجلیات علت مشترکہ ہے اس کو علم الاعتبار کہتے ہیں جس کی اجازت **فاعتبروا يا أولي الأبصار** میں موجود ہے اور جمیع فقہاء مجتہدین احکام میں اس کا استعمال کرتے ہیں بس اگر اس معنی مقیس

کو کوئی شخص مجازاً مدلول نص کہہ دے بایں معنی کہ قیاس مظہر ہے نہ مثبت تو اس میں کوئی بات قابل مواخذہ نہیں۔امام غزالیؒ نے بعض تصنیفات میں اس کی تصریح فرمائی ہے۔"[16]

حضرت تھانوی کی بیان کردہ وضاحت سے چند نکات سامنے آتے ہیں

الف۔ علم الاعتبار میں تین چیزیں ہیں جنہیں اعتبار کے ارکان بھی کہہ سکتے ہیں،

۱۔ اصل (مدلول قرآنی) ۲۔منظور فیہ (مضمون مشابہ) ۳۔دونوں کے درمیان مناسبت

ب۔ علم اعتبار مدلول نص اور ثابت بالنص نہیں ہے۔

ج۔ علم اعتبار کا مقصد تفسیر نہیں بلکہ قرآنی لطائف واسرار کا کشف واظہار ہے۔

س۔ علم اعتبار کے ذریعہ وہ دینی احکام مستنبط ہوتے ہیں جنہیں نصوص کے مدلولات سے مشابہت ہوتی ہے۔اور وہ دلائل شریعہ سے ثابت ہوتے ہیں۔

## اعتبار کی اقسام

علامہ شاطبیؒ نے الموافقات میں اعتبار کی دو اقسام ذکر کی ہیں

۱۔ قرآنی اعتبار

۲۔ غیر قرانی اعتبار

ان اقسام کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ شاطبیؒ لکھتے ہیں:

یعنی قرآن کے اعتبارات جو بصیرت رکھنے والے دلوں پر ظاہر ہوتے ہیں ان کی دو قسمیں ہیں، پہلی قسم وہ ہے جس کا اصل منبع قرآن ہے اور باقی موجودات اس کے تابع ہوں کیونکہ صحیح اعتبار وہ ہے جس میں بصیرت کا نور بغیر توقف کے کائنات کے پردوں کو چاک کردے اور دوسری قسم وہ ہے جس میں اصل منبع موجودات ہوں خواہ جزئی ہوں یا کلی اور اعتبار قرآن میں ان موجودات کا تابع ہو۔[17]

امام شاطبیؒ نے ان قسموں کو قرآنی اعتبار، اور وجودی اعتبار کا نام دیا ہے، ان کی تفصیل درج ذیل ہے

### ۱۔پہلی قسم (قرآنی عتبار)

اعتبار کی یہ پہلی قسم جس کا اصل منبع قرآن ہو اور موجودات اس کے تابع ہوں

علامہ شاطبیؒ اس اعتبار کے بارے میں لکھتے ہیں

اعتبار کی یہ قسم درست ہے، اور یہ قرآن کے باطنی معنی کا فہم حاصل کرنے کا معتبر طریقہ ہے جس میں کوئی اشکال نہیں۔[18]

امام شاطبیؒ مزید لکھتے ہیں کہ اس اعتبار میں اصل قرآن ہے، اس میں قرآن کے درست معنی بیان کرتے ہوئے مفسر ان معنی کے موافق دیگر احکام بھی ذکر کر دیتا ہے۔ لیکن قرآن کا یہ فہم مکلفین پر ان کے احوال کے مطابق وارد ہوتا ہے مطلقا نہیں ہوتا لہذا جو کوئی اس طریقے پر چلتا ہے تو گویا وہ صراط مستقیم پر چل رہا ہے یہ قرآنی اعتبار صرف ان لوگوں کو حاصل ہوتا ہے جو اس کے اہل ہوتے ہیں اور تقلید یا اجتہاد کرتے ہوئے قرآن پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ ایسے لوگ اعتبار کرتے ہوئے اس کی حدود سے باہر نہیں نکلتے جیسا کہ وہ قرآن پر عمل کرنے اور قرآن کے اخلاق سے اپنے آپ کو آراستہ کرنے میں بھی حدود کا خیال رکھتے ہیں۔ ان لوگوں کے لیے تو فہم کے وہ دروازے کھلتے ہیں جو احکام کے متوازی ہوتے ہیں جس سے ان پر یہ بات لازم ہوتی ہے کہ وہ اس اعتبار کے مطابق چلیں، اس پر وہ تمام باتیں شاہد ہیں جو سلف صالح سے نقل کی جاتی ہیں۔[19]

## دوسری قسم (غیر قرآنی اعتبار)

اعتبار کی دوسری قسم جس میں اصل منبع موجودات ہوں اور اعتبار قرآن میں ان موجودات کا تابع ہو۔

اس قسم کے بارے میں علامہ شاطبیؒ لکھتے ہیں:

**فالتوقف عن إعتباره في فهم باطن القرآن لازم**

یعنی اگر اعتبار کی یہ دوسری قسم ہو تو قرآن کے فہم کے اعتبار میں توقف کرنا لازم ہے۔

امام شاطبیؒ مزید وضاحت کرتے ہیں کہ اعتبار کی اس قسم کو مطلقا قبول کرنا جائز ہے۔ ہاں اگر چند شرائط کا خیال رکھا جائے تو پھر یہ قابل قبول ہے۔ اس اعتبار کو امام شاطبیؒ نے غیر قرآنی یا وجودی اعتبار کہا ہے۔ ان کے نزدیک اس اعتبار کو قرآن کے معنی پر اتار نادرست ہو گا، کیونکہ وہ بھی وجودی ہے اگرچہ بظاہر یہ بات ان دونوں میں مشترک ہے۔ مگر فرق یہ ہے کہ اس اعتبار میں معتبر (اعتبار کرنے والا) شاہد اور موافق کا مطالبہ نہیں کرتا، الا یہ کہ مربی اس بات کا مطالبہ کرے اور

مربی کا مطالبہ کرنا ایک خاص امر ہے اور یہ علم اس خاص امر کو لازم قرار نہیں دیتا۔ مطلب یہ کہ اس اعتبار میں چونکہ عام طور پر شاہد اور موافق کو طلب نہیں کیا جاتا لہذا اس اعتبار میں توقف کیا جائے گا۔ چنانچہ دل سے مراد جار ذا قربی ہونا اور جار الجنب سے مراد نفس طبیعی کو لینا اسے مطلقا اعتباری معنی شمار کرنا درست ہے۔ جو لوگ اس علم میں رسوخ رکھتے ہیں ان کے لیے یہ اعتبار آسان ہے اور وہ اس کی شرائط کا لحاظ بھی رکھتے ہیں لیکن جو لوگ راسخ فی العلم نہ ہوں وہ اس کی وجہ سے تباہی کے راستے پر چل پڑتے ہیں۔[20]

اعتبار کی ان دونوں اقسام سے متعلق مثالیں امام غزالی کی کتب مشکوۃ الانوار، احیاء العلوم اور جواہر القرآن میں موجود ہیں۔

اور دور حاضر میں اعتبار کی مثالیں مولانا اشرف علی تھانوی کی تفسیر بیان القران کے حاشیہ میں تحریر کی گئی ہیں۔ یہ حاشیہ بعد میں دو جلدوں پر مشتمل کتاب کی صورت میں طبع ہوا ہے۔ اس کتاب کا نام "مسائل السلوک من کلام ملک الملوک" ہے۔

## علم اعتبار کے جواز کے دلائل

قرآن حکیم میں جابجا اعتبار کا حکم دیا گیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

**فَاعْتَبِرُوا يَاأُولِي الْأَبْصَارِ**[۲۱]

اس آیت کے ذیل میں ابو بکر جصاص لکھتے ہیں:

**فيه أمر بالاعتبار والقياس في أحكام الحوادث ضرب من الاعتبار، فوجب استعماله بظاهر الآية.**[۲۲]

ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ نے تاریخ کے واقعات اور قصص کے ذریعہ اعتبار کرنے کا ذکر فرمایا ہے جیسا کہ ماضی کی امتوں کے مختلف احوال سے متعلق ارشاد ہوتا ہے:

**إِنَّ فِي ذَلِكَ لَعِبْرَةً لِمَنْ يَخْشَى**[۲۳]

اسی طرح فرعون کے قصہ کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

**لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِأُولِي الْأَلْبَابِ**[۲۴]

اللہ تعالیٰ نے کائنات کی چیزوں کے ذریعہ اعتبار کرنے کا حکم دیا تاکہ انسان اس اعتبار کے ذریعہ اللہ کی معرفت حاصل کرے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَإِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً[۲۵]

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

يُقَلِّبُ اللَّهُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَعِبْرَةً لِأُولِي الْأَبْصَارِ[۲۶]

ان تمام آیات میں ان اموال اور اشیاء سے عبرت حاصل کرنے کا حکم آیا ہے اور یہی علم الاعتبار ہے کہ دوسرے کے قصے کو اپنی حالت پر کسی مناسبت کے پائے جانے کی وجہ سے منطبق کیا جائے اور اس سے سبق حاصل کیا جائے۔

احادیث بھی اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ حضور اکرم ﷺ سے بھی اعتبار ثابت ہے۔ شاہ ولی اللہؒ لکھتے ہیں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فن اعتبار را معتبر داشتہ اند و دران راہ سلوک فرمودہ اند تا سنت باشد علمائے امت را و فتح طریقی باشد علوم موہوبہ [27]

یعنی حضور اکرم ﷺ نے اعتبار کے فن کو معتبر قرار دیا ہے، اور خود اعتبار کے راستے پر چل کر دکھا دیا تا کہ یہ طریقہ علمائے امت کے لیے سنت بن جائے اور ان کے لیے وہبی علوم میں سے ایک علم کا دروازہ کھل جائے۔

شاہ ولی اللہ نے دلیل کے طور دو احادیث نقل کی ہیں:

ا۔ صحیح بخاری کی کتاب تفسیر القرآن میں حضرت علی سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم بقیع غرقد میں ایک جنازہ میں شریک تھے ہمارے پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے کر آئے اور بیٹھ گئے تو ہم بھی آپ کے پاس بیٹھ گئے اور آپ کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی۔ آپ اسے زمین پر مارنے لگے اور فرمانے لگے تم میں سے ہر جاندار کے لئے اس کی جگہ جنت یا جہنم لکھ دی ہے اور نیک بخت اور بدبخت ہونا لکھ دیا ہے تو ایک آدمی نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہم اپنے لکھنے پر بھروسہ نہ کریں؟ اور عمل چھوڑ دیں ہم میں سے جو شخص سعادت والوں میں سے ہو گا وہ اہل سعادت کے کام کرے گا اور جو شخص بدبخت ہو گا وہ بدبختوں کی طرز پر جائے گا، آپ نے فرمایا کہ نیک لوگ نیک بختی کے عمل کے لئے آسان کئے جائیں گے اور بدبخت لوگ بدبختی کے عمل کے لئے آسان کئے جائیں گے پھر آپ ﷺ نے آیت (فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى) آخر تک پڑھی۔[28]

اس حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں:

اگرچہ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ جس شخص نے یہ افعال کیے اس کو جنت کی بے بہا نعمتیں عطا کی جائیں گی، اور جو ان کے خلاف کا مرتکب ہوا اس پر دوزخ اور عذاب کا راستہ کھول دیا جائے گا لیکن اعتبار کے ذریعے یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ ہر شخص کو ایک ایسی حالت کے لیے پیدا فرمایا ہے اور وہ حالت اس پر طاری ہو جاتی ہے خواہ وہ اس سے واقف ہو یا نہ ہو، لہذا اعتبار کے ذریعے اس آیت کا تقدیر کے مسئلہ کے ساتھ ربط ہو گیا۔[29]

۲۔ صحیح مسلم کی کتاب القدر میں عمران بن حصین سے مروی ہے ایکمر تبہقبیلہمزنیہکے دو آدمیر سو لکریمصلیاللهعلیہو سلمکیخدمتمیں حاضر ہوئے اور عرضکیااے اللهکے رسولآپصلیاللهعلیہو سلماسبارےمیں کیا فرماتے ہیں کہلوگآجعملکسچیز کے مطابق کرتے ہیں اور کسوجہسے اس عمل میں مشقتبرداشتکرتے ہیں؟ کیا اس وجہ سے کہ یہکوئیایسیچیز ہے جسکے بارے میں حکمصادر ہو چکا اور اسمیں تقدیر جاریہو چکیہے یا اس وجہ سے کہ انکے نبیصلیاللهعلیہو سلمجو احکام لے کر آئے ہیں اور تبلیغکیحجتانپر قائمہو چکیہے لہذا اسکے مطابقعمل کرتے ہیں ؟ اس پر آپصلیاللهعلیہو سلمنے فرمایانہیں بلکہانکاعملاسچیز کے مطابقہے جسکافیصلہو چکا ہے اور اسمیں تقدیر جاریہو چکیہے اور اس بات کیتصدیقاللهکیکتابمیں موجود ہے، ارشاد باری تعالی ہے (وَنَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا) اور قسمہے انسانکیاور جسنے اسکو بنایا اور اسے اسکیبدی اور نیکیکاالہامفرمایا۔[30]

شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں:

> معنی منطوقش آن ست کہ بر بر واثم مطلع ساخت لیکن خلق صورت علمیہ بر واثم را باآں بر واثم اجمالا در وقت نفخ روح مشابہتے ہست پس باعتبار می تواں بایں دریں مسئلہ استشہاد کرد واللہ اعلم[31]
>
> یعنی اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالی نے ہر انسان کو نیکی اور بدی پر مطلع فرمایا، لیکن نیکی اور بدی کی صورت علمیہ کے پیدا کرنے کو نفخ روح کے وقت ان کو اجمالا پیدا کرنے کے ساتھ مشابہت ہے اس لیے بذریعہ اعتبار اس آیت سے مسئلہ تقدیر میں فصل کر سکتے ہیں۔

یہاں ایک سوال یہ ہے کہ اس مسئلہ کی تقدیر سے کس طرح تائید ہوتی ہے؟ اس کی وضاحت میں مولانا اشرف علی تھانویؒ لکھتے ہیں

"اس کا جواب شاہ صاحب نے دیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہاں بھی علم اعتبار کے طور پر تشبیہ دی ہے کہ جس طرح فجور و تقوی کا القاء ہوا ہے اسی طرح اعمال کو مقدر بھی کر دیا گیا ہے۔"[32]

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے بھی علم اعتبار کا استعمال منقول ہے۔ جس کی ایک مثال امام غزالی کی بیان کردہ تعریف میں گزری ہے (هلا اعتبروا بالأصابع)۔ایک اور مثال مولانا اشرف علی تھانویؒ نے وضاحت سے بیان کی ہے کہ ابن عباسؓ نے: اعلموا ان اللہ یحیی الارض بعد موتھا کی تفسیر میں فرمایا کہ یہاں ارض سے مراد مردہ قلوب ہیں کہ اللہ تعالیٰ مردہ دلوں کو زندہ کر دیتے ہیں ورنہ زمین کا حال تو سب کو معلوم ہے۔(یعنی اس کی حالت بتلانے کا اتنا اہتمام ضروری نہ تھا) یہ بھی علم اعتبار ہی ہے اور ان معنی سے تفسیر مشہور کی نفی کرنا مقصود نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ اے مخاطب تجھ کو اس آیت میں مدلول پر اکتفا نہ کرنا چاہیے کیونکہ وہ تو ظاہری ہے بلکہ اس سے قلوب کی حالت کی طرف انتقال کرنا چاہیے کہ دلوں کی بھی وہی حالت ہے جو زمین کی حالت مشاہد ہے۔[33]

ان دلائل سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ علم اعتبار قرآن و حدیث اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے۔ لہذا یہ غلط فہمی دور ہوتی ہے کہ یہ اعتبار نہ تو صوفیاء کی بدعت ہے اور نہ ہی کوئی خود ساختہ علم ہے اس کی اصل نصوص میں موجود ہے ۔لہذا علم اعتبار کے ذریعے لطائف و نکات اخذ کرنے کو ملحدین کا طریق سمجھنا غلط ہے، البتہ اس کی چند شرائط وضوابط ہیں جن کا خیال رکھنا لازم ہے ۔جو شخص فہم قرآن میں علم اعتبار کا استعمال کرے اور حدود سے تجاوز کرے وہ بالاتفاق گمراہ ہے ۔حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں

"جو لوگ علم اعتبار کی رعایت کرنے میں صوفیہ پر زندقہ والحاد کا فتویٰ لگاتے ہیں وہ غلطی کرتے ہیں۔ہاں جو اس کو قرآن کی تفسیر سمجھے اس کے زندقہ والحاد میں ہم کو بھی کلام نہیں"۔[34]

## علم اعتبار کی غرض وغایت

علم الاعتبار کا مقصد تفسیر و تعیین بیان کرنا نہیں ہوتا بلکہ اس کا مقصد کشف و اظہار ہے۔ چنانچہ علم الاعتبار کے ذریعے عظمت، تبکیت، توبیخ، تعریض وغیرہ کے مقامات ظاہر ہوتے ہیں اور قرآنی آیات میں پوشیدہ اسرار و معنوی نکات منکشف ہوتے ہیں۔ جب کہ خطاب میں اعتبار سے مقصود مخاطب کو تنبیہ ہوتی ہے تاکہ درست اور غلط میں تمیز ظاہر ہو

جائے۔اگر آیات قرآنیہ کے معنی و مفہوم بیان کرنے کے لیے علم الاعتبار سے کام نہ لیا جائے تو آیات کے اسرار معنوی پوشیدہ رہتے ہیں۔

## علم اعتبار کی حدود و قیود

اعتبار کے صحیح ہونے کے لیے سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ جو نکات علم اعتبار کے ذریعہ اخذ کیے جا رہے ہیں انہیں تفسیر نہ کہا جائے۔جیسا کہ امام شاطبیؒ نے سہل بن عبداللہ کے بیان کردہ بعض نکات کے بارے میں لکھا ہے

ان نکات کی صحت کا ایک پہلو یہ ہے کہ اس نے یہ نہیں کہا کہ یہ اس آیت کی تفسیر ہے [35]

شاہ ولی اللہؒ لکھتے ہیں:

واما الاشارات صوفیہ واعتبارات انسان حقیقت از من تفسیر نیست بلکہ نزدیک استماع قرآن چیز پاہر دل سالک ظاہر میگر ودر میان نظم قرآن وحالتے کہ آن سالک کہ آں سالک دارد یا معرفتیکہ اور حاصل ست متولد میشود [36]

یعنی صوفیاء کرام کے اشارات واعتبارات در حقیقت علم تفسیر کا جزء نہیں بلکہ سالک کے دل پر بعض ایسی باتیں ظاہر ہوتی ہیں جو نظم قرآن حکیم اور سالک کے حال (جو اس پر طاری ہوتا ہے) اور معرفت (جو اسے حاصل ہوتی ہے) کے مابین پیدا ہوتی ہیں۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ نے علم اعتبار کی حقیقت کچھ اس طرح بیان کی ہے جس سے علم اعتبار کی حدود و قیود واضح ہو کر سامنے آتی ہیں وہ فرماتے ہیں:

”بہر حال علم اعتبار کی حقیقت یہ ہے کہ ایک مشبہ کو دوسرے مشبہ بہ سے واضح کیا جائے ثابت نہ کیا جائے بلکہ مشبہ ثابت بدلیل آخر ہے اور یہ نہ مجاز میں داخل ہے خواہ مجاز مرسل ہو خواہ استعارہ کیونکہ کنایہ میں موضوع لہ کے مراد نہ ہونے پر قرینہ ہوتا ہے اسی لیے غیر موضوع لہ مراد ہوتا ہے اور یہاں نہ موضع لہ کے غیر مراد ہونے کا کوئی قرینہ ہے نہ غیر موضوع لہ مراد ہے اور نہ یہ کنایہ میں داخل ہے کیونکہ کنایہ میں معنی موضوع لہ متروک نہیں ہوتے بلکہ کلام کا مدلول اصلی وہی موضوع لہ ہوتا ہے مگر مقصود اس کا لازم یا ملزوم ہوتا ہے جیسے طویل النجاد کہ اس میں مدلول وضعی متروک نہیں مدلول کلام وہی

ہے مگر مقصود طویل القامہ ہے کیونکہ طویل النجاد کے لیے طویل القامہ لازم ہے اور اعتبار میں وہ معنی نہ مقصود ہے نہ مدلول کلام ہے۔ پس یہ اعتبار گویا قیاس تصرفی ہے اور مشابہ ہے قیاس فقہی کے مگر ہمیں قیاس فقہی نہیں کیونکہ قیاس فقہی میں علت جامعہ موثر ہے حکم مقیس میں اس لیے وہ حکم منسوب الی القیاس ہوتا ہے یہاں یہ بھی نہیں صرف مقیس مقیس میں تشابہ ہے۔اور اس مشابہت کو حکم میں کوئی اثر نہیں بلکہ وہ حکم خود مستقل دلیل سے ثابت ہے یہ حقیقت ہے علم اعتبار کی پس صوفیہ تو اس کے حدود سے نہیں نکلتے کیونکہ وہ معانی منقولہ کے نہ مدلولیت کے منکر ہیں نہ مقصودیت کے "[37]

ایک اور مقام پر تنبیہہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں

کوئی اس کو قیاس نہ سمجھے، یہ صرف صورت قیاس ہے، بعض ظاہر بینوں نے اس کو قیاس میں داخل کیا ہے اور معنی اعتباری کو نص کا مدلول کہا ہے مگر یہ قیاس نہیں فقط تذکر اور انتقال ذہنی ہے کہ ایک کو دیکھ کر دوسرا یاد آجائے۔[38]

اس سے معلوم ہوا کہ علم اعتبار کے صحیح ہونے کے لیے درج ذیل حدود کا خیال رکھنا لازمی ہے:

1- اعتباری معنی کو تفسیر قرار نہ دیا جائے۔

2۔ اعتباری معنی کو قیاس فقہی نہ سمجھا جائے

3۔ اعتباری معنی کو مدلول آیت نہ قرار دیا جائے۔

4۔ اعتباری معنی میں آیات کے ظاہری معانی کا انکار نہ کیا جائے۔

۵۔ علم اعتبار کے ذریعہ جو حکم مستنبط ہو رہا ہے وہ دین میں مطلوب ہو۔

6۔ علم اعتبار سے جو اعتباری معنی اخذ کیے جا رہے ہیں ان کی صحت دلائل شرعیہ سے ثابت ہو۔

مولانا اشرف علی تھانوی کی عبارت سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ اعتبار نہ تو استعارہ ہے اور نہ ہی کنایہ ہے۔ نیز اعتبار کو قیاس سمجھنا بھی درست نہیں۔ بعض اوقات اعتبار اور قیاس میں فرق نہیں کیا جاتا اور کبھی علم اعتبار کو علم تعبیر یا تفاول کے برابر سمجھ لیا جاتا ہے۔ان تمام فروق کو ذیل میں مختصرا بیان کیا جا رہا ہے۔ جس سے اعتبار کی حقیقت مزید واضح ہو گی۔

## علم اعتبار اور قیاس میں فرق

اگرچہ اعتبار قیاس فقہی کے مشابہہ ہے لیکن یہ عین قیاس نہیں ہے۔اعتبار اور قیاس میں واضح فرق ہے جس کے چند اہم نکات درج ذیل ہے:

ا۔ قیاس کے چار ارکان ہیں،اصل،فرع،علت اور حکم شرعی۔اعتبار میں تین چیزیں ہیں اصل،منظور فیہ اور ان دونوں کے درمیان مناسبت کا ہونا۔

2۔ اعتبار سامع اور قاری کے ساتھ خاص ہوتا ہے جبکہ قیاس متکلم اور نتیجہ نکالنے والے کے ساتھ خاص ہے۔

3۔ قیاس فقہی حجت شرعیہ ہے جبکہ علم اعتبار حجت شرعیہ نہیں ہے۔

4۔ قیاس فقہی میں اشتراک علت کی بنا مقیس کے حکم کو نص کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔جبکہ اعتبار میں مقیس میں موجود حکم دوسری مستقل دلیل سے ثابت ہوتا ہے۔

5۔ قیاس فقہی سے احکام شرعیہ مستنبط کیے جاتے ہیں جبکہ اعتبار کے ذریعہ احکام کی توضیح اور تائید مقصود ہوتی ہے۔

6۔ قیاس فقہی حقیقی قیاس ہے لہٰذا اس کے لیے قیاس کے تمام احکام ثابت ہیں جبکہ علم اعتبار حقیقی قیاس نہیں بلکہ صورت قیاس ہے۔

7۔ علم الاعتبار کے لیے قیاس کے احکام ثابت نہیں ہوتے۔

8۔ قیاس فقہی مدلول قرآنی ہے اعتبار غیر مدلول قرآنی ہے۔

## علم اعتبار اور علم تعبیر میں فرق

علم تعبیر یعنی خواب کی تعبیر بتانا ایک ایسا فن ہے جس میں تعبیر بتانے والا خواب کی ابتداء سے لے کر انتہا تک جو کچھ دیکھا گیا ہے،اس میں غور و فکر کرتا ہے اور خواب کی تعبیر بتاتا ہے۔چنانچہ خواب کی تعبیر بیان کرنے والے کو عابر کہتے ہیں۔خوابوں کی تعبیر کا علم صلحاء اور بزرگان دین کی طرف منسوب ہونے کی بناء پر اہمیت رکھتا ہے۔لیکن یہ علم کسی بھی درجہ میں حجت نہیں ہے۔علم تعبیر اور علم اعتبار میں ایک بات مشترک ہے،وہ یہ کہ ان دونوں کا تعلق مناسبات سے ہے جس کی وجہ سے ایک چیز کو کسی دوسری چیز کے ساتھ کوئی مناسبت ہونے کی بنا پر بیان کیا جاتا ہے لیکن بہر حال ان دونوں میں درج ذیل فرق ہے۔

۱۔ علم اعتبار علم تعبیر کی نسبت زیادہ اشرف ہے۔

۲۔ علم تعبیر میں صرف احکامِ تکوینیہ یعنی کائنات کا غیبی نظام اور اس سے متعلق امور مثلاً مدت حیات، بارش، حوادث، آفات، نعمت، مصیبت وغیرہ معاملات پر استدلال کیا جاتا ہے جبکہ علم اعتبار سے خالص احکام شرعیہ پر استدلال کیا جاتا ہے۔[39]

## علم اعتبار اور تفاؤل میں فرق

علم الاعتبار اور تفاول میں فرق کو سمجھنے سے پہلے تفاول کی حقیقت کو جاننا ضروری ہے کہ اس کی تعریف اور حکم کیا ہے؟

## تفاؤل کی تعریف:

تفاؤل کا معنی اچھے کلام کو سن کر اس سے اچھا شگون لینا ہے، اور اگر وہ کوئی برا کلام ہو تو وہ طیرۃ یعنی بدشگونی ہے، فأل کا لفظ عام طور سے خیر اور اچھے پہلو کے لیے استعمال ہوتا ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے:

نہ چھوت کی بذات خود کوئی حقیقت ہے اور نہ بدشگوکی کی، اور مجھے نیک فال پسند ہے[40]

لفظ فال کا استعمال کبھی شر کے لیے بھی ہوتا ہے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے

**ولا فأل عليك: لا ضير**[٤١]

یعنی تمہارا کوئی نقصان نہ ہو،

حدیث میں ہے کہ جب آپ ﷺ کی موجودگی میں طیرۃ کا تذکرہ آیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

بدشگونی کوئی چیز نہیں اور بہترین طیرہ فال ہے، پوچھا گیا: اے اللہ کے رسول! فال کیا چیز ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اچھی بات جو تم میں سے کوئی سنے۔[42]

فقہاء نے بھی فال کو اسی معنی میں استعمال کیا ہے، چنانچہ علامہ قرآفی نے فال کی تعریف یوں کی ہے:

**وأما الفأل فهو ما يظن عنده الخير عكس الطيرة**[٤٣]

فال وہ ہے جس کو سن کر خیر کا گمان ہو، یہ طیرۃ اور تطیر کے برعکس ہے۔

یعنی کبھی فال کا لفظ خیر کے لیے متعین ہوتا ہے، کبھی شر کے لیے متعین ہوتا ہے اور کبھی دونوں کا احتمال ہوتا ہے، پہلی صورت کی مثال یہ ہے کہ بغیر کسی قصد و ارادے کے کسی کے کان میں کوئی اچھا لفظ پڑ جائے، مثلاً یا فلاح، اور یا مسعود کا لفظ سن کر یا کسی آدمی یا بچے کا اچھا نام سن کر دل میں خوشی کی بات محسوس کی جائے۔

## تفاؤل کا شرعی حکم

فال لینے کا کے کئی طریقے ہیں جن میں سے صرف ایک طریقہ مباح ہے اور دیگر طریقے درست نہیں ہیں۔اس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

## مباح فال

فال کا مباح طریقہ یہ ہے کہ کوئی شخص قصد وارادے کے بغیر کوئی اچھا لفظ یا اچھی بات سنے اور اس سے خوش ہو، یا کوئی اپنے لڑکے کا اچھا نام رکھے اور اس کو سن کر خوش ہو۔علامہ قرافی فال کی ان دونوں صورتوں کے بارے میں لکھتے ہیں۔

فهذان القسمان هما الفأل المباح[44]

فقہاء کا اس بات اتفاق ہے کہ بغیر کسی ارادہ کے کوئی اچھا لفظ سن کر اس سے نیک شگون لینا جائز ہے، جیسے کوئی مریض ''یا سلم''کا لفظ سنے یا کوئی گم شدہ چیز کو تلاش کرنے والا ''یا واجد''کا لفظ سنے اور اس سے اس کے قلب کو راحت ملے،

جیسا کہ روایت میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ جب کسی کام کے لیے نکلتے تو 'یا راشد یا نجیح'' جیسے الفاظ سننا آپ ﷺ کو پسند تھا۔[45]

ایک اور جگہ روایت ہے کہ آپ ﷺ کسی چیز سے بدشگونی نہیں لیتے تھے آپ ﷺ کا معمول تھا کہ آپ جب کسی شخص کو کسی جگہ کا عامل بنا کر بھیجتے تھے تو اس کا نام دریافت کرتے تھے،اس کا نام پسندیدہ ہوتا تو اس سے خوش ہوتے تھے اور چہرے کی بشاشت سے آپ کی پسندیدگی ظاہر ہو جاتی تھی،اسی طرح اگر کوئی نام ناپسند ہوتا تو چہرے کی ناگواری سے آپ کی ناپسندیدگی عیاں ہو جاتی تھی، آپ ﷺ کا معمول یہ تھا کہ جب کسی گاؤں میں جاتے تو اس کا نام دریافت فرماتے،اچھا نام ہوتا تو آپ ﷺ خوش

ہوتے اور آپ کے چہرے سے اس کی بشاشت ظاہر ہو جاتی، اور اگر وہ نام ناپسندیدہ ہوتا تو اس کی کراہت بھی آپ کے چہرۂ مبارک سے آشکارا ہو جاتی۔[46]

نبی اکرم ﷺ فال کو اس لیے پسند فرماتے تھے کہ اس سے شرح صدر ہوتا ہے، ضرورت پوری ہونے کی خوشی اس سے حاصل ہوتی ہے، جس کے باعث اللہ تعالیٰ کی ذات سے حسن ظن پیدا ہوتا ہے۔[47]

ایک حدیث قدسی ہے:

**بندہ میرے بارے میں جو گمان کرتا ہے میں اس کے مطابق معاملہ کرتا ہوں، لہٰذا اسے میرے بارے میں حسن ظن رکھنا چاہیے۔[48]**

جبکہ بدشگونی کا معاملہ مختلف ہے۔ بدشگونی کرنا اہل شرک کا شیوہ ہے، اس لیے کہ وہ جس چیز سے بدشگونی لیتے تھے اس سے نقصان پہنچنے کا اعتقاد رکھتے تھے۔

## حرام فال

علامہ قرافی حرام فال کی صورتیں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں

**إن أخذ الفأل من المصحف وضرب الرمل والقرعة والضرب بالشعير وجميع هذا النوع حرام[49]**

قرآن مجید سے اس طور پر فال لینا کہ قرآن کھولے اور اس کے پہلے صفحہ کی کسی آیت سے فال لے یا رمل کے بعض اشارات کے ذریعہ، قرعہ کے ذریعے فال لینا یہ سب صورتیں حرام ہیں

مولانا اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں

" اہل فال کبھی قرآن سے اپنے خاص احکام خبریہ یا انشائیہ پر استدلال کیا کرتے ہیں تو کیا وہ علوم قرآنی ہمیں داخل ہو جاتے ہیں، مثلاً اگر کسی شخص مسمی زید کا اپنی بی بی سے کچھ جھگڑا ہوا اور اس کو یا تو یہ تردد ہو کہ اس معاملہ کا انجام کیا ہو گا یا یہ تردد ہو کہ مجھ کو اس میں کیا کرنا چاہیے اور وہ قرآن سے تفاؤل کرے اور اتفاق سے اس میں سورہ احزاب کی آیات جو زید بن حارثہ کے باب میں نازل ہوئی ہیں نکل آویں اور اس سے اپنے انجام پر استدلال کرے کہ مفارقت (یعنی جدائی) ہو گی یا اس مشورہ پر استدلال کرے کہ اس

سے مفارقت لینا مناسب ہے اور واقع میں بھی ایسا ہی ہو تو کیا یہ استدلال صحیح ہے۔اور کیا قرآن سے اس خبر یا انشاء (یعنی حکم) کی صحت کا اعتقاد جائز ہو گا اسی واسطے محققین علماء نے ایسے تفاول کو حرام کہا ہے"۔[50]

قرآن سے فال لینے کو علماء نے اس لیے بھی ممنوع قرار دیا ہے کہ اگر فال لیتے ہوئے یہ ارادہ ہو کہ اچھی فال نکل آئے گی تو عمل کر لیں گے اور اگر بری فال نکل آئی تو چھوڑ دیں گے ،تو یہ استقسام بالازلام کی طرح ہے جس کی حرمت قرآن مجید میں آئی ہے لہذا قرآن سے اس طرح فال لینا حرام ہے۔[51]

قرآن حکیم سے فال لینا صرف اس وقت جائز ہے جب اس فال کا مقصد محض تقویت رجاء ہو،اور قصد وارادہ شامل نہ ہو۔لیکن چونکہ اس میں بھی فال لازم آنے کا شبہ موجود ہے اس لیے حرمت کا حکم لگایا جاتا ہے۔احناف،اور مالکیہ کے نزدیک قرآن سے فال لینا حرام ہے،شوافع کے نزدیک مکروہ ہے ،حنابلہ میں سے صرف ابن بطہ سے قرآن سے فال لینا منقول ہے مگر اس کی کوئی دلیل نہیں ملتی۔[52]

## فرق

علم اعتبار تفاؤل سے زیادہ اشرف وافضل ہے،اس کی وجہ یہ ہے کہ علم اعتبار میں جب غیر مدلول قرآنی کو مدلول قرآنی پر کسی مناسبت ومشابہت سے قیاس کیا جاتا ہے تو غیر مدلول قرآنی کا مقصود دینی ہوتا ہے۔اور اس کا تعلق شرعی احکام سے ہوتا ہے۔جبکہ تفاؤل میں یہ بات تو واضح ہو گئی کہ قرآن سے تفاول جائز ہی نہیں اور اگر محض تقویت رجا کی بنیاد پر اس کو جائز قرار دے دیا جائے تو بھی اس میں غیر مدلول قرآنی کا مقصود بہر حال دنیاوی ہوتا ہے۔

## خلاصہ کلام

الغرض یہ کہ اعتبار سے مراد ایک معلوم چیز میں غور وفکر کر کے ایک نہ دیکھی ہوئی چیز کو حاصل کرنا ہے اور یہ کام غور وفکر کا محتاج ہے، جس کی ہر شخص استطاعت نہیں رکھتا، یہ ملکہ انہیں شخصیات کو حاصل ہوتا جو اس کے اہل ہیں جنہیں اللہ رب العزت نے قلب سلیم عطا فرمایا ہے۔اعتبار کی تعریفات سے محسوس ہوتا ہے کہ اعتبار اور قیاس ایک ہی چیز ہے جبکہ اعتبار عینقیاسنہیںہے بلکہیہمطلقطورپر کسیچیز کواسکینظیر کیطرفلوٹاناہے۔اعتبار کبھیتوقرآنکیآیاتمیںہوتاہےاور کبھیحدیثکے معکرنےمیں متابعاتاور شواہد کے ذیلمیں اعتبار کااستعمالہوتاہے۔

اسیطر حمختلفعلوممیں بجہاں جھیکسیچیز کواسکینظیر کیطر فلوٹایاجائے تو یہاعتبار یہیں شاملہے۔قرآن حکیم میں علم اعتبار کے ذریعہ قرآنی لطائف واسرار کا کشف واظہار کیا جاتا ہے۔اس کے ذریعہ اصحاب تزکیہ واحسان قرآن حکیم سے تصوف کے مسائل اخذ کرتے ہیں۔یہ اعتبار نہ تو تفسیر کہلاتا ہے اور نہ ہی یہ قیاس فقہی ہے۔اعتبار کے درست ہونے کے لیے ضروری ہے کہ اسے تفسیر قرار نہ دیا جائے،اس اعتباری معنی کی صحت پر کوئی شرعی دلیل موجود ہو،اس میں آیات کے ظاہری معانی کا انکار نہ کیا جائے نیز علم اعتبار کے ذریعہ جو حکم مستنبط ہو رہا ہے وہ دین میں مطلوب ہو۔علم اعتبار تفاول اور علم تعبیر دونوں سے زیادہ افضل ہے۔

## نتائج

۱۔اعتبار اپنے معانی ومفہوم میں وسعت رکھتا ہے۔

۲۔اعتبار کا استعمال مختلف علوم میں ہوتا ہے۔

۳۔قرآن میں علم اعتبار کا استعمال احادیث نبوی ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے۔

۴۔علم اعتبار کی دو قسمیں ہیں،قرآنی اور غیر قرآنی۔

۵۔علم اعتبار کے صحیح ہونے کے لیے شرط ہے کہ اسے تفسیر قرار نہ دیا جائے،نیز جو اعتباری معنی بیان ہوں وہ دلائل شرعیہ سے ثابت ہوں۔

۶۔اعتبار نہ تو استعارہ ہے،نہ کنایہ اور نہ ہی یہ قیاس ہے،بلکہ یہ ان سب سے فرق ہے۔

۷۔علم اعتبار علم تعبیر اور تفاول سے افضل ہے۔

# حوالہ جات وحواشی (Refrences)


1 آل عمران2:138 Ale Imran, 2:138

2 القیامۃ19:75 Alqiamah ,19:75

3 اصفہانی،ابوالقاسم،حسین بن محمود راغب،المفردات فی غرائب القرآن،مکتبہ نزاد مصطفی الباز،ریاض،سعودی عرب،ص:۴۱۶

Asfahani abu al Qasim bin Mehmood Raghib, Al mufradat fi Gharaib Al Quran , Maktabah nazaar Mustafa albaz , Riazdh, KSA, P.416.

4 ابن منظور،لسان العرب،دار صادر،بیروت،۱۴۱۴ھ،ص ۵۳۱/۴

Ibn e Manzoor, Lisan ul Arab, Dare Sadir, Beirut,1414 AH, P.531/4

5 اصفہانی،المفردات فی غرائب القرآن،ص:۴۱۶

Asfahani, Almufradat fi Gharaib Al Quran, P.416

6 بخاری،علاءالدین،کشف الاسرار شرح اصول بزدوی،دار الکتاب الاسلامی،بیروت،ص ۲۷۵/۳

Bukhari, Alauddin, Kashf ul Asrar Sharah Bazdavi, Dar alktab alislam , Biarut, P.275/3

7 آلوسی،شہاب الدین، محمود بن عبداللہ،روح المعانی،دار الکتب العلمیہ،بیروت،ص236/14

Aloosi, Shahab ud din, Mehmood bin Abdullah ,Roohul Maani, Daralkutub Al Ilmia, Beirut, P.236/14

8 بیضاوی،ناصر الدین،عبداللہ بن عمر،نہایۃ السول فی شرح منہاج الاصول،عالم الکتب،بیروت،ص ۱۱/۴

Baizawi, Nasir ud din , Abdullah bin Umer, Nihaiyatul sual fi sharah minhajal usool,Alimulkutub, Beirut , P.4/11

9 غزالی، ابوحامد، محمد بن محمد، المستصفی فی علم الاصول، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، 1417، ص266/2

Ghazali, Abu Hamid, Muhammad Bin Muhammad , Al Mustasfa fi ilmul usool ,Moassasa tu risala , Beirut,1417 AH, p.266/2

10 مالک بن انس، الموطأ، دار احیاء التراث العربی، بیروت، کتاب العقول، باب العمل فی عقل الاسنان، ص862/2

Malik bin Anas, Al Muwatta, Dar e Ahya alTturaas al Arabi, Beirut, Kitab ul Aqool ,Bab ul amal fi aql ul asnan , P.862/2

11 ابن عاشور، محمد طاہر بن محمد، التحریر والتنویر، الدار التونسیۃ للنشر، تیونس، 1984، ص72/20

Ibn Ashoor, Muhammad Tahir bin Muhammad, Al tahrir wa tanwir, Dar ul Altunisia lin nasher ,Tunisia,1984 AD, P.72/20

12 اصفہانی، المفردات في غریب القرآن، ص320

Asfahani, Al Mufradat fi Gharaib Al Quran, P.320

13 الزرکشی، بدر الدین، محمد بن عبد اللہ، البرھان في علوم القرآن، دار احیاء الکتب العربیۃ، بیروت، ص19/1

Al Zarkashi, Badruddin, Muhammad bin Abdullah , Alburhan fi uloom ul Quran, Dare Ahya ul kutub al Arabiya, Beirut, P.19/1

14 ملخص حوالہ بالا19/1 Ibid P.19/1

15 تھانوی، اشرف علی، مولانا، التقصیر فی التفسیر، بشمولہ ''مولانا عبید اللہ سندھی کے افکار اور تنظیم فکرِ ولی اللٰہی کے نظریات کا تحقیقی جائزہ''، مؤلف مفتی رضوان، ادارہ غفران، راولپنڈی 2014ء، ص:36-35

Thanvi, Ashraf Ali, Molana, Altaqseer fi Tafseer, Mufti Rizwan, Idara e Ghufran, Rawalpindi 2014 AD, P.35-36

16 تھانوی، اشرف علی، مولانا، شریعت و طریقت، ادارہ اسلامیات، لاہور، ص:418

Thanvi, Ashraf Ali, Molana, Shariat wa tareeqat, idara e islamiat, Lahore, P.418

17 شاطبیؒ،ابراہیم بن موسی،الموافقات في أصول الفقہ،دار المعرفۃ،بیروت،ص403/3

Shatibi, Ibrahim bin Musa, Almuwafaqat fi Usul fiqh , Darul maarifat , Beirut, P.403/3

18 حوالہ بالا،404/3 Ibid, P.403/3

19 حوالہ سابق Ibid

20 حوالہ سابق Ibid

21 الحشر،۲:۵۹ Al Hashr,2;59

22 جصاص،ابو بکر،احمد بن علی،أحکام القرآن،دار الکتب العلمیۃ،بیروت،ص573/3

Jassas,Abu Bakr,Ahmed bin Ali,Ahkam ul Quran, Darul kutubAlilmia,Beirut, P.573/3

23 النازعات،26:79 Al Naziaat,26:79

24 یوسف،111:12 Yousuf,111:12

25 النحل،66:16 Al Nahl,66:16

26 النور،۴۴:۲۴ Al Noor,44:24

27 دہلوی،ولی اللہ،شاہ،الفوز الکبیر مع فتح الکبیر فی اصول تفسیر،مطبع علیمی،دہلی،ص:39

Dehlvi,Waliullah,Shah,Al Fauzul Kabir ma Fathul kabir fi Usul e Tafseer, Maktba Aleemi,Dehli,P.39

28 بخاری،محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری،دار طوق النجاۃ،کتاب الجنائز،باب موعظۃ المحدث عند القبر،ص ۹۶/۲

Bukhari,Muhammad bin Ismail,Sahih Bukhari,Dare Toqulnajat, Kitabul janaiz,bab maoizatul mohdis indal qaber , P.96/2

29 دہلوی،ولی اللہ،شاہ،الفوز الکبیر مع فتح الکبیر فی اصول تفسیر،ص39

Dehalvi,Waliullah ,Shah ,Alfauz ul kabir maa Fathul kabirfi Usule tafseer, p.39

30 قشیری، مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، داراحیاء التراث العربی، بیروت، کتاب القدر، باب کیفیۃ خلق آدم، ص۲۰۳۶/۴

Qushairi,Muslim bin Hajjaj,Sahih Muslim,Dare ahyaulturass Al Arabi,Beirut, Kitabul Qader, Bab kayfiat khalqe Adam . P.2036/4

31 دہلوی، ولی اللہ، شاہ، الفوز الکبیر معفتحالکبیر فی اصول تفسیر، ص39

Dehlvi,Waliullah, shah ,Alfauzul Kabir maa Fathul Kabeer fi usule tafseer, P.39

32 تھانوی، اشرف علی، مولانا، خطبات حکیم الامت، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان، ص422/20

Thanvi,Ashraf Ali, Maulana, Khutbat hakeem ul ummat, Idarae talifat ashrafia ,Multan ,P.422/20

33 حوالہ بالا، ص423/20 Ibid P. 423/20

34 حوالہ سابق Ibid

35 شاطبی، ابراہیم بن موسیٰ، الموافقات في أصول الفقہ، ص398/3

Shatibi,Ibrahim bin Musa,Almuwafiqat fi usule fiqh,P.398/3

36 دہلوی، ولی اللہ، شاہ، الفوز الکبیر، ص۳۹

Dehlvi,Waliullah, Shah, Alfauz ul Kabir, P.39

37 تھانوی، اشرف علی، مولانا، خطبا تحکیم الامت، ص۴۲۴/۲۰

Thanvi,Ashraf Ali, Maulana, Khutbaat Hakeem ul ummat, P.424/20

38 تھانوی، اشرف علی، مولانا، شریعت وطریقت، ص421

Thanvi,Ashraf Ali, Maulana, Shariat o Tareeqat, P.421

39 تھانوی، اشرف علی، مولانا، التقصیر فی اصول التفسیر، ص:88

Thanvi,Ashraf Ali, Maulana,Altaqseer fi Usul e tafseer, P.88

40 بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، کتاب الطب، باب الفال، ص۷/۱۳۵

Bukhari,Muhammad bin Ismail,Sahih Bukhari, Kitab Altib, Babul faal,P.135/7

41 فیروز آبادی، ابو طاہر، محمد بن یعقوب، القاموس المحیط، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ص 1041/1

Ferozabadi,Abu Tahir,Muhammad bin Yaqoob, Alqamoosulmuheet, Muassasatu rissala,Beirut,1041/1

42 شیبانی، ابو عبداللہ، احمد بن محمد بن حنبل، مسند احمد، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، مسند ابی ہریرۃ، ص۱۵/۵۲۸

Shaibani,Abu Abdullah,Ahmed bin Hanbal, Musnad Ahmed, Muassasa tu risala,Beirut, Musnad Abi Huraira, P.528/15

43 قرافی، شہاب الدین، احمد بن ادریس، انوار البروق فی انواء الفروق، عالم الکتب، بیروت، ص۴/۲۴۰

Qarafi,Shahabuddin,Ahmed bin Idrees,Anwarul burooq fi anwarul Farooq, Alimul kutub, Beirut, P.240/4

44 قرافی، انوار البروق فی انواء الفروق، ص240/4

Qarafi,Anwarul burooq fi anwaul furooq, P.240/4

45 ترمذی، ابو عیسی، محمد بن عیسی، سنن ترمذی، مصطفی البابی حلبی، مصر، ابواب السیر، باب ماجاء فی الطیرۃ، ص۴/۱۶۱

Tirmizi,Abu Isa,Muhammad bin Isa, Sunan Tirmizi,Mustafa albabi halabi,Egypt, Abwabu siar, Bab ma jaa fee tiara.P.161/4

46 سجستانی، ابوداود، سلیمان بن اشعث، سنن ابی داود، دار الکتاب العربی، بیروت، کتاب الطب، باب فی الطیرۃ، ص۴/۲۷

Sijistani,Abu Dawood,Suleman bin Ashath, Sunan Abi Dawood, Darul kitab Alarabi,Beirut, Kitab ul tib, Bab ee tiara,P.27/4

47 قرافی، انوار البروق فی انواء الفروق، ص۴/۲۴۱

Qarafi,Anwarul burooq fi anwaul Furooq, P.241/4

48 شیبانی،ابوعبداللہ،احمد بن محمد بن حنبل، مسند احمد، مسند ابی ہریرۃ، ص۲/۳۹۱

Shaibani,Abu Abdullah,Ahmed bin Muhammad bin Hambal,Musnad Ahmed,Musnad abi Huraira, P.391/2

49 قرافی،انوارالبروق فی انواءالفروق، ص۴/۲۴۱

Qarafi,Anwarul burooq fi Anwaul Furooq, P.241/4

50 تھانوی،اشرف علی، مولانا،التقصیر فی اصول التفسیر، ص۸۷

Thanvi,Ashraf Ali,Maulana, Altaqseer fi usul e tafseer, P.87

51 قرافی،انوارالبروق فی انواءالفروق، ص240/4

Qarafi,Anwarul burooq fi anwaul Furooq,P.240/4

53 البہوتی، منصور بن یونس بن صلاح الدین، حنبلی، کشاف القناع عن متن الإقناع، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱/۱۳۷

Albahooti,Mansoor bin Younusbin Salahuddin,Hambli,Kashaaful qannaa en Matan ul iqnaa,darul kutub alilmia,Beirut, P.137/1